حضرت معاویہؓ اور خلافت و ملوکیت

ملک غلام علی صاحب

(۷)

صاحب التوضیح والتلویح کا موقف اگر مدیر البلاغ اس بات سے بے خبر ہیں تو میں ان کے علم میں لانا چاہتا ہوں کہ حضرت حجرؓ بن عدی کو باغی اور مباح الدم قرار دینا تو درکنار بعض علمائے سلف نے صاف طور پر امیر معاویہؓ کے خلاف قتلِ صحابہؓ کا الزام عائد کیا ہے۔ یہاں میں ایک مثال پیش کیے دیتا ہوں۔ التوضیح اور اس کی شرح التلویح درس نظامی کی ایک مشہور متداول کتاب ہے۔ میرے سامنے اس وقت مطبع نولکشور ۱۲۹۲ھ کا مطبوعہ نسخہ ہے۔ اس میں شرائط راوی، انقطاع، ارسال اور حدیث القضا بشاہد و یمین پر بحث کرتے ہوئے ص۳۱۱ پر مصنف توضیح فرماتے ہیں وذکر فی المبسوط ان القضاء بشاهد ویمین بدعة واول من قضی به معاویة (مبسوط میں مذکور ہے کہ مدعی کے حق میں ایک گواہ اور قسم کی بنا پر فیصلہ دینا بدعت ہے اور پہلے شخص جنہوں نے ایسا فیصلہ دیا وہ معاویہ ہیں)۔ اس عبارت کی تشریح میں صاحب تلویح لکھتے ہیں لیس المراد ان ذالک امر ابتدعه معاویة فی الدین بناء علی خطائه کالبغی فی الاسلام ومحاربة الامام وقتل الصحابة لانه قد ورد فیه الحدیث الصحیح (اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ کوئی ایسی بدعت تھی جو امیر معاویہؓ نے دین کے معاملے میں اختیار کی ہو اور جس کی بنیاد ان کی ایسی خطا پر ہو جس طرح کہ بغاوت، امام وقت کے خلاف محاربہ اور قتلِ صحابہ ہے۔ قضا بشاہد و یمین کے معاملے میں حدیث صحیح موجود ہے)۔ اب یہاں علامہ سعد الدینؒ تفتازانی نے صاف طور پر امیر معاویہؓ کو بغاوت، امام وقت کے خلاف جنگ اور قتل صحابہؓ کا مرتکب ٹھہرایا ہے۔ صحابہ جمع کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک امیر معاویہؓ متعدد صحابہ کرامؓ کے قتل کے موجب ہوئے ہیں۔ حضرت حکمؓ بن عمرو کا امیر معاویہؓ کی قید میں وفات پانا میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ دوسرے صحابی حضرت حجرؓ ہیں

جو ناحق امیر معاویہؓ کے ہاتھ سے قتل ہوتے ہیں۔ اب اگر حضرت حُجرؓ صحابی نہیں ہیں یا بر بنائے بغاوت ان کا قتل روا تھا تو پھر عثمانی صاحب براہِ کرم مجھے بتائیں کہ وہ اور کون کونسے صحابۂ کرام ہیں جنہیں امیر معاویہؓ نے قتل کرایا ہے؟ علامہ تفتازانی بغاوت، محاربہ اور قتلِ صحابہ کا ذکر بہر حال امیر معاویہؓ کی خطا کے طور پر کر رہے ہیں۔ اگر حضرت حجرؓ کا قتل بالحق تھا تو پھر قتلِ صحابہ کا ذکر بطورِ بدعت وخطا جو تلویح میں درج ہے اور امیر معاویہ کو جس کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا ہے، اس کے آخر کیا معنی ہیں؟ اس کتاب کو وجود میں آئے چھ سو سال سے زاید کا عرصہ گزر چکا ہے اور ہمارے مدارس میں اس کی تدریس برابر جاری ہے۔

بعض حضرات علامہ سعد الدین تفتازانی کے اس طرح کے اقوال کی بنا پر ان کے خلاف شیعہ ہونے کا بے بنیاد الزام عائد کر دیتے ہیں۔ بلکہ علامہ موصوف پر کیا موقوف ہے، بعض دوسرے ائمۂ اہلِ سنت، جنہوں نے حضرت علیؓ یا حضرات حسنینؓ کے فضائل ومناقب بیان کر دیے ہیں یا سیئاتِ بنو امیہ کو واشگاف انداز میں بیان کر دیا ہے، ان کے خلاف بھی تشیّع کا الزام بلا تکلف لگا دیا جاتا ہے۔ مثلاً امام ابن جریرؒ، ائمۂ فقہاء اربعہ، امام نسائیؒ، امام حاکمؒ جیسے ائمہ سلف بھی اس بیجا الزام سے نہیں بچ سکے۔ میرے لیے یہاں بیچ میں اس مسئلے پر مفصل بحث کرنا تو ممکن نہیں، البتہ علامہ تفتازانی کے متعلق جو کچھ ملا علی قاریؒ کی تالیف شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے، اُسے میں یہاں نقل کیے دیتا ہوں۔ ملا علی قاری خلفائے راشدین کی ترتیبِ افضلیت کے مسئلے پر بحث کرتے ہوئے پہلے نقل فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کے نزدیک حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ سے افضل ہیں، مگر بعض متاخرین نے اس معاملے میں توقف اختیار کیا ہے اور شرح العقائد کے ایک محشّی (اشارہ تفتازانی کی طرف ہے) نے کہا ہے کہ فلا جہة للتوقف بل یجب ان یجزم بافضلیة علیؓ (توقف کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے بلکہ واجب ہے کہ حضرت علیؓ کو قطعی طور پر افضل مانا جاتے)۔ اس کے بعد فرماتے ہیں:

ولذا قیل فیه رائحة من الرفض لکنه فریة بلا مریة اذ کثرت فضائل علی وکمالاته العلیة وتواتر النقل فیه معنیً بحیث لا یمکن انکاره، ولو کان هذا رفضا وترکاً للسنة لم	اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اُن میں (یعنی تفتازانی میں) بوئے رفض پائی جاتی ہے۔ لیکن یہ بلاشبہ ایک افترا ہے کیونکہ حضرت علیؓ کے فضائل وکمالاتِ عالیہ بہت ہیں جو اس طرح تواترِ معنوی کے ساتھ منقول ہیں کہ ان کا انکار

یوجد من اھل الروایۃ والدرایۃ سنی اصلاً فایاک والتعصب فی الدین والتجنب عن الحق الیقین	ممکن نہیں۔ اگر اسی چیز کا نام رفض اور ترکِ سنت ہے تو اہلِ روایت و درایت میں کوئی سُنی اصلاً نہ پایا جا سکے گا پس خبردار! دین میں تعصب سے بچو اور حق الیقین سے اجتناب نہ کرو۔

(شرح فقہ اکبر، ملا علی قاری، ص۸۷، مطبع مجتبائی ۱۳۴۸ھ)

حضرت عائشہؓ کے تاثرات مولانا مودودی نے لکھا تھا کہ حضرت حجرؓ جو ایک زاہد و عابد صحابی اور صلحائے امت میں ایک اونچے مرتبے کے شخص تھے، ان کے قتل نے امت کے صلحاء کا دل دہلا دیا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عائشہؓ اور ربیع گورنر خراسان کو یہ خبر سن کر سخت رنج ہوا۔ اس پر مولانا عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ "جہاں تک عبادت و زہد کا تعلق ہے، حجرؓ بن عدی شاید خارجیوں سے زیادہ عابد و زاہد نہ ہوں، لیکن کیا امت کا کوئی فرد یہ کہہ سکتا ہے کہ چونکہ خارجی بہت زیادہ عابد و زاہد تھے، اس لیے ان کی بغاوتوں پر انہیں قتل کرنا حضرت علیؓ کا ناجائز فعل تھا؟" یہ پھر ایک بے بنیاد دعویٰ ہے جسے عثمانی صاحب نے پیش کر دیا ہے۔ کیا عثمانی صاحب تاریخی طور پر یہ بات ثابت کر سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ جس خارجی یا باغی کو قید کر لیتے تھے، اُسے قتل کر دیتے تھے؟ یا کوئی سفارشی جس کی جان بخشی کرا لیتا تھا، اُسے چھوڑ دیتے تھے اور دوسرے قیدیوں کو تہِ تیغ کر دیتے تھے؟ حضرت علیؓ کا اُسوہ تو میں پہلے بیان کر چکا ہوں کہ اوّل تو وہ خوارج سے تعرض ہی نہیں فرماتے تھے اور جب خوارج خود قتال کی ابتدا کرتے تھے تب حضرت علیؓ دفاعی قتال کرتے تھے۔ خاتمۂ قتال کے بعد آپ کا حکم اور عمل یہ تھا کہ اسیروں کو قتل نہ کیا جائے بلکہ رہا کر دیا جائے۔ یہ طریقہ آپ کا سب مقاتلین و محاربین کے بالمقابل تھا۔ جنگِ صفین کے متعلق مؤرخین کا بیان ہے کہ امیر معاویہؓ کا ارادہ تھا کہ قیدیوں کو قتل کر دیا جائے مگر انہیں معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ نے اپنے جنگی قیدیوں کو رہا کر دیا ہے تو امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ اچھا ہوا کہ ہم نے قیدی قتل نہ کر دیئے۔ چنانچہ انہوں نے بھی اپنے قیدی چھوڑ دیئے۔

جہاں تک حضرت عائشہؓ کے اس قول کا تعلق ہے کہ "اے معاویہؓ! تمہیں حجرؓ کو قتل کرتے ہوئے خدا کا ذرا خوف نہ ہوا؟" مولانا محمد تقی صاحب نے تسلیم کر لیا ہے کہ یہ تاریخ طبری میں موجود ہے، حالانکہ پہلے انہوں نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ مولانا مودودی نے جتنی کتابوں کا حوالہ دیا ہے، ان میں یا دوسری کسی کتاب میں بھی یہ الفاظ موجود

نہیں ہیں۔ اس کے برعکس واقعہ یہ ہے کہ نہ صرف تاریخ طبری بلکہ دوسری کتابوں میں بھی حضرت عائشہؓ کا یہ قول منقول ہے۔ مثلاً الاصابہ میں حضرت حجرؓ کے حالات بیان کرتے ہوئے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عائشہؓ کو معلوم ہوا کہ زیاد ان کے قتل کے درپے ہے تو آپ نے عبدالرحمٰن بن حرث کو امیر معاویہؓ کے پاس پیغام دے کر بھیجا کہ اَللّٰہَ اَللّٰہَ فی حجر و اصحابہ (حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے معاملے میں خدا سے ڈریں)۔ مگر ان کے پہنچنے سے پہلے حضرت حجرؓ اور آپ کے پانچ ساتھی قتل ہو چکے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا یہ قول الاصابہ ص۳۵۵ پر موجود ہے۔ اسی مقام کے آگے پیچھے سے مولانا عثمانی صاحب نے متعدد دیگر اقوال نقل کیے ہیں مگر سخت تعجب ہے کہ یہ قول انہیں اس کتاب میں نظر نہ آسکا۔ بہرکیف حضرت عائشہؓ کی شدید ناراضی اور اضطراب ظاہر کرنے والے اِن الفاظ کو نظرانداز کرتے ہوئے عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ "اب یہ بھی سُن لیجیے کہ خود حضرت عائشہؓ کی ذاتی رائے حجرؓ اور ان کے اصحاب کے بارے میں کیا تھی۔ امام ابن عبدالبرؒ نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے یہ فرمایا تھا کہ حجرؓ اور ان کے اصحاب کے معاملے میں تم سے ابوسفیانؓ کی بُردباری کہاں چلی گئی تھی؟ تم نے ایسا کیوں نہ کیا کہ انہیں قید خانوں میں بند رکھتے اور انہیں طاعون کا نشانہ بننے دیتے؟ یہ تھا حضرت عائشہؓ کے نزدیک بُردباری کا زیادہ سے زیادہ تقاضا جو حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ روا رکھی جاسکتی تھی۔ اگر حجر بن عدی اور ان کے ساتھی بقول مولانا مودودی "حق گوئی" ہی کے مجرم تھے تو اس "حق گوئی" کی کم سے کم سزا حضرت عائشہؓ کے نزدیک بھی قید خانہ ہی تھی۔"

عثمانی صاحب کا یہ ارشاد ستم ظریفی اور سخن فہمی کا ایک نادر نمونہ ہے۔ ابن حجرؒ نے حضرت عائشہؓ کا قول صرف یہ بیان کیا ہے۔ فبعثت الی معاویۃ عبدالرحمٰن بن الحرث اللّٰہَ اللّٰہَ فی حجر و اصحابہ (پھر حضرت عائشہ نے عبدالرحمٰن بن الحرث کو معاویہ کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجا کہ حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے معاملہ میں اللہ سے ڈرو)۔ آگے کی ساری عبارت ایک مکالمہ ہے جو عبدالرحمٰن اور امیر معاویہؓ کے درمیان ہوا۔ اس میں سے کوئی بات بھی ایسی نہیں جو حضرت عائشہ نے فرمائی ہو یا ان کی جانب سے عبدالرحمٰن نے نقل کی ہو، کیونکہ وہ تو سوال و جواب ہے جو عبدالرحمٰن اور امیر معاویہؓ کے درمیان ہوا تھا۔ عبارت یہ ہے:

فوجدہ عبدالرحمٰن قد قتل ھو و عبدالرحمٰن (جب حضرت عائشہؓ کا پیغام لے کر پہنچے) تو

خمسة من اصحابه فقال لمعاوية اين عزب عنك حلم ابي سفيان في حجر واصحابه الا حبستهم في السجون وعرضتهم للطاعون قال حين غاب عني مثلك من قومي قال والله لا تعدلك العرب حلما بعد هذا ابدا ولا رأيا قتلت قوما بعث بهم اليك أسارى من المسلمين؟	انہوں نے دیکھا کہ حضرت حجرؓ اور ان کے پانچ ساتھی قتل ہو چکے ہیں۔ عبدالرحمٰنؓ امیر معاویہؓ سے کہنے لگے کہ "حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے معاملے میں ابوسفیان کا حلم آپ سے کہاں غائب ہو گیا؟ آپ نے انہیں قید خانوں میں کیوں نہ بند رکھا اور طاعون کا شکار کیوں نہ ہو جانے دیا؟" امیر معاویہ نے جواب دیا کہ آپ جیسے میری قوم کے افراد مجھ سے دور ہوں (تو نتیجہ ظاہر ہے)۔ عبدالرحمٰن بولے "خدا کی قسم اہل عرب آپ کو اس کے بعد کبھی بھی بردبار اور اہل الرائے شمار نہیں کریں گے۔ آپ نے ایسے مسلمانوں کو قتل کر دیا جو آپ کے پاس قیدی بنا کر بھیجے گئے تھے"؟

اب یہ بات فی الواقع بڑی تعجب خیز ہے کہ مولانا محمد تقی صاحب نے حضرت عائشہ کا اصل پیغام تو بالکل حذف کر دیا ہے، جو انہوں نے عبدالرحمٰن کے ذریعے سے امیر معاویہ کو بھیجا تھا (اور وہ صرف اتنا ہی تھا کہ آپ حجرؓ کے معاملے میں اللہ سے ڈریں) مگر آگے جو بات خود عبدالرحمٰن نے امیر معاویہ سے کہی تھی اُسے حضرت عائشہؓ کا قول قرار دے دیا۔

پھر قطع نظر اس بات کے کہ یہ قول (الا حبستهم في السجون) حضرت عائشہ کا ہے یا کسی دوسرے شخص کا، اس سے یہ استنباط عجیب چیز ہے کہ اس قول کے قائل کا منشا و مدعا یہ ہے کہ حضرت حجرؓ کو قتل کرنا تو ذرا سخت سزا تھی، البتہ یہ بات بالکل منصفانہ اور مناسب تھی کہ انہیں حبسِ دوام کی سزا دے کر جیل خانہ میں سڑنے یا طاعون میں مبتلا ہونے کے لیے چھوڑ دیا جاتا۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہم بعض اوقات اپنے کسی مخاطب کو فہمائش کرنے کے لیے یا اُس کے اعلیٰ اخلاقی جذبات سے اپیل کرنے کی غرض سے کہتے ہیں کہ فلاں کام کرنے کی بہ نسبت تو بہتر یہ تھا کہ آپ فلاں کے یا میرے گلے پر چھری پھیر دیتے۔ خود قرآن میں آیا ہے کہ جب برادرانِ یوسفؑ انہیں قتل کرنے پر تُل گئے تو ایک بھائی نے کہا کہ قتل نہ کرو، کسی اندھے کنوئیں میں ڈال دو۔ اب کیا اس اندازِ بیان سے کوئی سلیم الطبع آدمی یہ استدلال کر سکتا ہے کہ انصاف کا تقاضا بھی یہی تھا کہ حضرت یوسفؑ کو قتل کرنے کے بجائے انہیں کنوئیں میں پھینک دیا جاتا؟ اور کیا فی الواقع جب انہیں اندھے کنوئیں میں

ڈال دیا گیا، تو یہ کوئی جائز و مباح فعل تھا؟ میرے لیے زیادہ تفصیلات نقل کرنا مشکل ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے قتلِ حجرؓ سے قبل اور اس کے بعد بھی جس طرح اس پر نکیر و احتجاج کیا ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک یہ فعل سخت ناپسندیدہ اور قطعاً غیر جائز تھا۔ میں ان کا ایک قول پہلے نقل کر چکا ہوں کہ حضرت حجرؓ کا جرم دراصل جرمِ ضعیفی تھا جس کی سزا مرگِ مفاجات تھی۔

امیر معاویہؓ نے مصر پر قبضہ کر لینے کے بعد حضرت عائشہؓ کے بھائی محمد ابن ابی بکر کو وہاں نہایت بیدردی سے قتل کرا دیا تھا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ وہ حضرت عثمانؓ پر حملہ کرنے والوں میں شریک تھے اس لیے ان کی موت کے طبعی صدمے کے باوجود حضرت عائشہؓ نے ان کے قتل پر ایسا شدید احتجاج امیر معاویہؓ سے نہیں کیا اور ایسے سخت الفاظ میں ملامت و توبیخ نہیں کی جس طرح حضرت حجرؓ کے معاملے میں کی ہے۔ خود اصابہ کے مقامِ مذکور پر یہ الفاظ ہیں: ثم قدم معاویۃ المدینۃ فدخل علی عائشۃ فکان اول ما بدأته به قتل حجر فی کلام طویل جری بینهما (پھر جب معاویہؓ مدینے میں حضرت عائشہؓ کے پاس پہنچے تو انہوں نے سب سے پہلے قتلِ حجرؓ کے مسئلے پر ان سے طویل گفتگو کی[1])۔ اب یہ مولانا عثمانی کی نری زبردستی ہے کہ انہوں نے پہلے تو مولانا مودودی پر یہ الزام لگایا کہ انہوں نے ایک محرّف اور بے بنیاد قول حضرت عائشہ سے منسوب کیا ہے اور بعد میں جب یہ الزام واپس لیا تو خود ایک قول میں معنوی تحریف کر کے اس کا حضرت عائشہ کی جانب انتساب کرتے ہوئے پھر یہ لکھ دیا کہ "تاہم اصل مسئلے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حجرؓ کے تمام حالات سے واقف ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ کی رائے ان کے بارے میں یہی تھی کہ وہ بغاوت کے مجرم تھے اور ان کے ساتھ خوفِ خدا اور بردباری کا زاید سے زاید تقاضا یہ تھا کہ انہیں قید خانہ میں بند کر کے طاعون کا نشانہ بننے دیا جاتا۔" مولانا عثمانی صاحب کی اس طرح کی معنی آفرینیوں پر میں سوائے اس کے اور کیا کہوں کہ ع

سخن شناس نہ ای دلبرا خطا اینجاست

واقعہ یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کا کوئی ایک ہی قول نہیں، بلکہ متعدد اقوال ایسے ہیں جن سے آپ کے شدّتِ تاثر کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً البدایہ ج ۸ ص۵۵ پر ایک روایت ہے لولا یغلبنا سفهاؤنا لکان لی و معاویۃ فی قتل حجر شان (اگر ہمارے سفہا ہم پر غالب نہ ہو جاتے تو قتلِ حجرؓ کے معاملے میں امیر معاویہؓ کے ساتھ طرزِ عمل اور ہی ہوتا)۔ طبری نے ایک دوسرا قول حضرت عائشہؓ کا یوں نقل کیا ہے

[1] اُسدالغابہ کے الفاظ یہ ہیں: ولما قدم معاویۃ المدینۃ دخل علی عائشۃ فکان اول ما قالت له فی قتل حجر فی کلام طویل۔

لولا انا لم نغیر شیئاً الا آلت بنا الامور الی اشد مما کنا فیہ لغیرنا قتل حجر (اگر ایسا نہ ہوتا کہ حالات کے بدلنے میں ہماری سعی کا نتیجہ موجودہ صورت سے خراب تر نکلتا، تو ہم حجرؓ کو قتل نہ ہونے دیتے)

حضرت عائشہؓ کے علاوہ دوسرے لوگوں نے جس شدید صدمہ و قلق کا اظہار کیا تھا، اس کی اہمیت کم کرنے کے لیے مدیرِ "البلاغ" فرماتے ہیں کہ "مولانا مودودی نے خراسان کے گورنر ربیع کے مجمل قول کا حوالہ دیا ہے جو کوفہ اور شام سے سینکڑوں میل دور بیٹھے ہوتے تھے"۔ حالانکہ سینکڑوں میل دور اگر حضرت حجرؓ کے قتل کی خبر پہنچ سکتی تھی تو اُس "زبردست جنگ اور بغاوت" کی خبر کیوں نہیں پہنچ سکتی تھی جسے حضرت حجرؓ کے سر منڈھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر فی الواقع کوئی بغاوت یا لڑائی حضرت حجرؓ اور ان کے ساتھیوں نے برپا کی ہوتی تو لڑائی کی خبریں بھی اُسی طرح دُور دُور تک پھیلتیں جس طرح قتل کی خبر پھیلی اور ربیع حارثی افسوس کے بجائے اطمینان ظاہر کرتے کہ بغاوت فرو ہوگئی اور باغی کیفرِ کردار تک پہنچ گئے۔ اس معاملے میں مولانا عثمانی صاحب نے جس طرح حضرت عائشہؓ کے موقف کو غلط رنگ میں پیش کرنے اور گورنر خراسان کے قول کو مجمل کہہ کر اُسے ناقابلِ اعتناء ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ایک طرف اس کو دیکھیے اور دوسری طرف ان کے محبوب مؤرخ ابن خلدونؒ کا یہ بیان ملاحظہ کیجیے کہ: ارسلت عبد الرحمن الی معاویۃ یشفع فیھم . . . . . واسفت عائشۃ لقتل حجر وکانت تثنی علیہ (حضرت عائشہؓ نے امیر معاویہ کے پاس عبد الرحمٰن کو حضرت حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے حق میں سفارشی بنا کر بھیجا . . . اور حضرت حجرؓ کے قتل پر غمگین ہوئیں اور ان کی تعریف کیا کرتی تھیں)۔

اب یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر یہ لوگ فی الواقع جرمِ بغاوت کے مرتکب تھے تو حضرت عائشہ نے ان کے لیے شفاعت اور اظہارِ افسوس کو کیسے جائز سمجھا اور ان کے حق میں قتل کے بعد ثنائیہ کلمات کیسے کہا کرتی تھیں جبکہ ان باغیوں نے نہ اقرارِ جرم کیا نہ اظہارِ توبہ و ندامت کیا؟ آخر ان کے جُرم کی حقیقت کبھی تو ام المومنین پر منکشف ہونی چاہیے تھی۔ قتل کے کچھ عرصہ بعد جب امیر معاویہ کی اپنی ملاقات حضرت عائشہ سے ہوئی ہے اُس وقت بھی حضرت عائشہؓ نے باز پُرس اور فہمائش ہی کا انداز اختیار کیا ہے اور امیر معاویہ نے جواب میں معذرت خواہانہ الفاظ میں کہا ہے کہ "میں کیا کرتا، زیاد ان کے قتل پر مُصر تھا"۔ یہ نہیں کہا کہ یہ لوگ باغی تھے، اس لیے ان کا قتل روا تھا اور آپ محض ناواقفیت کی بنا پر ان کی حمایت کر رہی ہیں۔

ربیع بن زیاد گورنر خراسان کے قول کا حوالہ اگر مولانا مودودی نے مجمل دیا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کی مزید تفصیل تاریخ میں مذکور نہیں ہے۔ ابن خلدون نے اس واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے:

فلما بلغ الربیع بن زیاد بخراسان قتل حجر سخط ذالك وقال لاتزال العرب تقتل بعده صبراً ولو انکروا قتله منعوا انفسهم من ذالك لکنهم اقروا فذلوا ثم دعا بعد صلوٰۃ جمعة لایام من خیرہ وقال للناس انی قد مللت الحیٰوۃ وانی داع فامّنوا ثم رفع یدیه وقال اللّٰھم ان کان لی عندك خیر فاقبضنی الیك عاجلا وامّن الناس ثم خرج فما توارت ثیابه حتی سقط فحمل الی بیته ومات من یومه۔

(تاریخ ابن خلدون، ج ۳، ص۱۳)

جب ربیع بن زیاد کو خراسان میں حجرؓ کے قتل کی خبر پہنچی تو وہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور کہنے لگے آج کے بعد عرب اسی طرح باندھ باندھ کر قتل کیے جاتے رہیں گے۔ اگر وہ اس قتل پر احتجاج کرتے تو وہ اس انجام سے اپنے آپ کو بچا لیتے۔ لیکن انہوں نے اس قتل کو انگیز کر لیا اس لیے وہ ذلیل ہو گئے۔ پھر اس خبر کے چند روز بعد انہوں نے جمعہ کے بعد دُعا شروع کی اور لوگوں سے کہا کہ مَیں اب زندگی سے اُکتا گیا ہوں اور مَیں دعا مانگنے لگا ہوں، پس اس پر آمین کہو۔ پھر انہوں نے ہاتھ اٹھائے اور کہنے لگے " اے اللہ اگر میرے لیے تیرے پاس خیر ہے تو مجھے اپنے ہاں جلدی بُلالے " لوگوں نے آمین کہی، پھر وہ مسجد سے نکلے اور اپنے کپڑے بھی سنبھالنے نہیں پائے تھے کہ گر پڑے۔ پھر انہیں اٹھا کر گھر تک لے گئے اور اُسی دن ان کی وفات ہو گئی۔

مولانا مودودی نے جس بات کو اجمالاً بیان کیا تھا، یہ ہے اس کی تفصیل بلکہ منہ بولتی ہوئی تصویر[1]! اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر کے متعلق بھی مولانا نے لکھا تھا کہ انہیں بھی یہ خبر سن کر سخت رنج ہوا۔ اس پر مولانا عثمانی نے کوئی تبصرہ نہیں فرمایا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ حوالہ بھی مجمل ہونے کی بنا پر ان کے نزدیک لائق توجہ نہ ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا شدید الم انگیز ردِ عمل متعدد کتابوں میں منقول ہے۔ صاحب استیعاب فرماتے ہیں: کان ابن عمر فی السوق فنعی الیه حجر فاطلق حبوته وقام وقد غلبه النحیب[2] (حضرت ابن عمرؓ بازار میں تھے کہ انہیں حجرؓ کی موت کی خبر دی گئی۔ پس آپ نے اپنی چادر ڈھیلی کی، اٹھ کھڑے ہوئے اور بے اختیار روتے ہوئے آپ کی چیخ نکل گئی)۔ حافظ ابن حجرؒ الاصابہ میں فرماتے ہیں: کان ابن عمر

[1] تھوڑے بہت لفظی اختلاف کے ساتھ یہی تفصیل اس واقعہ کی تاریخ طبری ج ۴ ص۲۱۲ پر مذکور ہے۔

[2] یہی الفاظ اُسد الغابہ میں حضرت حجرؓ کے حالات بیان کرتے ہوئے نقل کیے گئے ہیں۔

یتخبر عنہ فاخبر بقتلہ وھو بالسوق فاطلق حبوتہ وولی وھو یبکی (حضرت ابن عمرؓ حضرت حجرؓ کی خیر خبر معلوم کرتے رہتے تھے پھر انہیں ان کے قتل کی اطلاع ملی جبکہ وہ بازار میں تھے پس انہوں نے اپنی چادر کھولی اور روتے ہوئے بازار سے لوٹ آئے)۔

مولانا مودودی نے اس ضمن میں حضرت حسنؒ بصری کا ایک قول بھی نقل کیا ہے جس میں انہوں نے قتلِ حجرؓ کی مذمت کی ہے۔ مولانا عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ اس مقولے کے آخری جملے سے اس کا سارا بھرم کھل جاتا ہے اور وہ جملہ یہ ہے ویلًا لہ من حجر واصحاب حجر . . . . اس کا ترجمہ عثمانی صاحب نے کیا ہے: "حجر اور اُن کے ساتھیوں کی وجہ سے معاویہؓ پر دردناک عذاب ہو"۔ یہ غلط ترجمہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں "یہ الفاظ لکھتے وقت ہمارا قلم بھی لرز رہا تھا، مگر ہم نے یہ اس لیے نقل کر دیئے ہیں کہ انہی جملوں سے اس روایت کی حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے۔ کیا حضرت حسن بصریؒ سے کسی درجہ میں بھی توقع کی جا سکتی ہے کہ انہوں نے اس بے دردی اور بے باکی کے ساتھ حضرت معاویہؓ کی شان میں یہ الفاظ استعمال کیے ہوں گے"۔ میں عثمانی صاحب کو اطمینان دلاتا ہوں کہ حضرت حسن بصریؒ جنہوں نے یہ الفاظ استعمال کیے یا طبریؒ اور ابن اثیرؒ وغیرہ جنہوں نے انہیں نقل کیا ہے وہ لغتِ عرب اور امیر معاویہ کی شان عثمانی صاحب سے زیادہ جانتے تھے۔ ویل کے معنی اصلًا دردناک عذاب کے نہیں بلکہ بُرائی، خرابی اور افسوس کے ہیں، اگرچہ یہ لفظ عذاب کے لیے بھی مستعمل ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ . . . . يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ . . . . يٰوَيْلَتٰۤى ءَاَلِدُ . . . . کے قرآنی کلمات میں ویل سے مراد عذاب نہیں بلکہ خرابی ہے۔ قرآن مجید کے دوسرے مقامات پر بھی شاہ عبدالقادرؒ صاحب اور دوسرے مترجمین نے ویل کا ترجمہ بالعموم خرابی یا اسی مفہوم کے دوسرے الفاظ میں کیا ہے۔ امام راغبؒ فرماتے ہیں: ویل، قُبح وقد یُستعمل علی التحسر ومن قال ویل وادٍ فی جہنم [illegible] اللغۃ ھو موضوع لھذا (ویل کے معنی بُرائی اور قباحت کے ہیں اور بعض اوقات یہ کلمہ حسرت کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور جس نے ویل کا مطلب جہنم کی وادی بیان کیا ہے، اس کی مراد یہ نہیں ہے کہ لغت میں یہ لفظ ان معنوں کا حامل ہے)۔ قاموس میں ہے: الویل، حلول الشر وبھاء الفضیحۃ او ھو تفجیع (ویل کے معنی بُرائی پیش آنے کے ہیں اور ساتھ آئے تو فضیحت مراد ہے یا پھر اس کا مطلب مصیبت ہے)۔ متعدد احادیث میں بھی ویل کا لفظ خرابی کے معنوں میں آیا ہے۔ مثلاً ویل للذی یحدث فیکذب، ویل لامتی من علماء السُّوء (حیف ہے اس شخص پر جو بات کرے تو غلط بیانی کرے۔ خرابی ہے میری اُمت کی علمائے سوء کی وجہ سے)۔ اب یہ مدیر البلاغ کی انصاف پسندی کا

کمال سمجھا جائے یا ان کی زبان دانی کا کرشمہ خیال کیا جائے کہ وہ لفظ ویل کے بنیادی لغوی مفہوم کو چھوڑ کر حضرت حسنؒ کے قول کو خواہ مخواہ وحشتناک معانی پہنا رہے ہیں، پھر اس پر استدلال کی عمارت اٹھا رہے ہیں اور اپنے قلم کو بلا وجہ لرزش میں مبتلا کر رہے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی مدیر البلاغ نے پھر وہی اعتراض دہرا دیا ہے کہ "یہ روایت بھی ابو مخنف کی ہے اور یہ حسن بصریؒ پر بہتان وافترا ہے۔ ابو مخنف شیعہ، حجر بن عدی کا حامی اور حضرت معاویہؓ کا دشمن ہے"۔ مجھے ابو مخنف کی وکالت کرنے کی حاجت نہیں ہے۔ میں پہلے واضح کر چکا ہوں کہ جن روایات کی بنا پر ابو مخنف کی یہ توضیع ہو رہی ہے، ان سے شدید تر روایات ثقہ راویوں کی صحاح میں موجود ہیں۔ خود اسی ویلاً له من حجر.... والی روایت ہی کو لے لیجیے۔ استیعاب ص ۲۵۱ ہی پر مسند احمد کی ایک روایت موجود ہے جس کی سند میں ابو مخنف کا نام نہیں۔ اس میں حضرت حسنؒ سے مروی ہے کہ انہوں نے امیر معاویہؓ کا ذکر کیا کہ انہوں نے حضرت حجرؓ کو قتل کیا اور پھر فرمایا: ویل لمن قتل حجراً و اصحاب حجر (افسوس ہے یا خرابی ہے اس کے لیے جس نے حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کیا)۔ صاحب اُسد الغابہ نے حضرت حُجرؓ کے حالات بیان کرتے ہوئے حضرت حسن کے متعلق لکھا ہے کان الحسن البصری یعظم قتل حجر (حسنؒ بصری قتلِ حُجرؓ کو سانحۂ عظیمہ خیال کرتے تھے)۔ اور محمد بن سیرین کا یہ قول بھی اُسد الغابہ میں درج ہے کہ جب ان سے اُن دو نفل رکعتوں کے بارے میں پوچھا جاتا تھا جو قتل کے وقت مقتول پڑھتا ہے تو فرماتے تھے کہ حضرت خُبیب اور حضرت حُجرؓ نے انہیں پڑھا تھا اور وہ دونوں صاحبِ فضل تھے (وھما فاضلان)۔ امام حسینؓ کے متعلق البدایہ ج ۸، ص۵۳ پر ایک روایت درج ہے کہ انہیں جب حضرت حجرؓ کے قتل کی اطلاع ملی تو آپ نے پوچھا کہ کیا ان کی نماز جنازہ پڑھی گئی ہے اور کیا انہیں بیڑیوں اور بندشوں ہی میں دفن کر دیا گیا ہے؟ جواب ملا کہ "ہاں"۔ حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم، ان کی حجت قاتلین کے خلاف قائم ہو گئی (حجھم واللہ)۔ حضرت حسینؓ کا مدعا یہ تھا کہ ان کا جنازہ پڑھنا ہی ثابت کر رہا ہے کہ یہ باغی یا مرتد نہیں تھے، مسلمان تھے اور معصوم الدم تھے۔ ایک طرف اکابرِ امت کے یہ اقوال دیکھیے اور دوسری طرف عثمانی صاحب کی یہ عبارت ملاحظہ کیجیے کہ وہ حضرت حجرؓ کے فضل اور زہد و تقویٰ کو خوارج کی عبادتگزاری سے تشبیہ دے رہے ہیں جس کی مذمت حدیث میں وارد ہے۔ اس پر ادّعا یہ ہے کہ یہ حضرات خود تو بزرگوں کی تعظیم کرنے والے ہیں اور دوسرے ان کی توہین کرتے ہیں۔

ابو مخنف کا ذکر آ گیا ہے تو اس دلچسپ حقیقت کا ذکر بھی مناسب ہے کہ حضرت حجرؓ بن عدی کے خلاف

بغاوت کا مقدمہ مرتب کرتے ہوئے "البلاغ" میں ابو مخنف ہی کی روایات پر انحصار کیا گیا ہے ۔ اگرچہ اس راوی کا نام شاذ و نادر ہی لیا گیا ہے، البتہ آخر میں جا کر مولانا عثمانی صاحب نے بطور پیش بندی یہ لکھ دیا ہے کہ "ہم پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ ہم نے بیشتر روایات ابو مخنف ہی کی لی ہیں، لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ ابو مخنف شیعہ اور حجرؓ کا حامی ہے، لہٰذا اصول کا تقاضا ہے کہ ان روایات کو قبول کیا جائے جو حجرؓ کے خلاف جاتی ہیں کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حجرؓ کی بغاوت کے واقعات اس قدر ناقابلِ انکار تھے کہ ابو مخنف ان کا پُرزور حامی ہونے کے باوجود ان کا اعتراف کرنے پر مجبور رہا"۔ اپنی اپنی پسند اور اپنا اپنا خیال ہے۔ میرا خیال تو یہ ہے کہ ابو مخنف کی روایات کا جو انبار مولانا عثمانی صاحب نے بیس صفحات میں لگایا ہے، اس سے تو جرمِ بغاوت کے اثبات میں ذرہ برابر مدد نہیں مل سکتی اور اس نقطۂ نظر سے ان پر لَا یُسْمِنُ وَلَا یُغْنِیْ مِنْ جُوْعٍ کا اطلاق ہوتا ہے ۔ آخر آپ ابو مخنف کی روایات کو قبول کرتے میں اتنا تکلف کیوں برت رہے ہیں اور اصول اور ان کے تقاضوں کی آڑ کیوں لے رہے ہیں ؟ آپ سیدھی طرح اس بات کو کیوں تسلیم نہیں فرما لیتے کہ تاریخی مباحث میں مجروح راویوں کی روایات پر انحصار کیے بغیر چارہ نہیں "خلافت و ملوکیت" یا کسی دوسری تاریخی روایات کی حامل کتاب کے راویوں پر کتبِ رجال کی مدد سے تنقید کر لینا تو بہت آسان ہے لیکن مثبت انداز میں کسی تاریخی موضوع پر کلام کرتے ہوئے یا تاریخی واقعات کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے اس امر کا اہتمام قطعاً محال ہے کہ بیچ میں کسی ضعیف یا متکلم فیہ راوی کی روایت نہ آنے پائے ۔ آپ کہتے ہیں کہ ابو مخنف حضرت حجرؓ کا حامی ہے ۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ براہِ کرم اصحابِ سلف میں سے چند ایسے حضرات کے نام گنوا دیں جو حضرت حجرؓ کے حامی نہیں بلکہ ان کے دشمن ہیں ۔ میرے علم میں کوئی مؤرخ، محدث یا فقیہ ایسا نہیں ہے جس نے حضرت حجرؓ کو آپ کی طرح باغی اور گردن زدنی اور مثل خوارج قرار دیا ہو۔ سب نے مجرد واقعہ قتل کو جُوں کا توں بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے، حضرت حجرؓ کو صاحبِ فضیلت اور مستجاب الدعوۃ لکھا ہے، اور ان کے حق میں رحمت و رضوان کی دعا کی ہے ۔ اس سے زائد کسی نے کچھ لکھا ہے تو وہ امیر معاویہؓ اور زیاد ہی کے خلاف جاتا ہے، حجرؓ کے خلاف نہیں جاتا ۔ اگر میرا خیال غلط ہے اور حضرت حجرؓ کی براءت اور اسلام کے قانونِ بغاوت کی تشریح کرتے ہوئے جو کچھ میں نے لکھا ہے وہ صحیح نہیں ہے تو آپ براہِ کرم میری تصحیح فرما دیں۔ نیز ذرا یہ بھی فرما دیں کہ آپ کے والد ماجد نے شہادتِ حسینؓ کے سلسلے میں ابو مخنف کی جو روایات نقل کی ہیں، وہ حضرت حسینؓ کے حامی کی حیثیت سے لی گئی ہیں یا مخالف کی حیثیت سے ؟ اور ابو مخنف یزید کا حامی تھا

یا دشمن، اصول کا تقاضا تو یہ بھی ہے کہ واقعہ کربلا میں اس کی روایات نہ لی جائیں۔

مؤرخینِ متاخرین کی آراء | حضرت حجر بن عدی کی صحابیت و فضیلت کے متعلق اگرچہ متعدد اقوال میں پہلے نقل کر چکا ہوں، مگر خاتمۂ بحث کے طور پر میں چند مزید اقتباسات بھی نقل کر دینا چاہتا ہوں تاکہ مدیرِ "البلاغ" کے اس الزام کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جائے کہ مولانا مودودی نے ایک باغی، گردن زدنی اور شورش پسند تابعی کو ایک حق پرست اور عظیم المرتبت صحابی کے طور پر پیش کر دیا ہے۔

امام ذہبیؒ اپنی تصنیف العبر فی خبر من غبر، الجزء الاول مطبعۃ حکومۃ الکویت ص۵۵ پر ۵۱ھ کے حوادث کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وفیہا قتل بعذراء حجر بن عدی الکندی واصحابہ بامر معاویۃ ولحجر صحبۃ ووفادۃ وجہاد وعبادۃ۔

اسی سال حجرؓ بن عدی اور ان کے رفقاء معاویہؓ کے حکم سے عذرا کے مقام پر قتل ہوئے۔ حجرؓ صحابی ہیں جو ایک وفد میں آنحضورؐ کے پاس حاضر ہوئے۔ آپ ایک عبادت گزار بزرگ تھے جنہوں نے جہاد میں بھی شرکت کی۔

استاذ عبدالوہاب النجار جنہوں نے تاریخ الکامل لابن اثیر، ادارۃ المنیریہ، ۱۳۵۶ھ کے مطبوعہ نسخہ کی تصحیح و تہذیب کی ہے، وہ اس کتاب کی جلد ثالث، ص۲۴۳ پر حاشیہ میں فرماتے ہیں:

ان ھؤلاء الناس الذین قتلتہم الاھواء السیاسیۃ کانوا اقوی علی الحق واقوم قیلاً من معاویۃ الذی یریق دماءھم علی حرمتہم وعدم ارادھا نہم فی دینہم۔

حضرت حجرؓ اور ان کے ساتھی جو سیاسی اغراض کے باعث قتل ہوئے، وہ اپنے قول و عمل میں امیر معاویہ کی بہ نسبت زیادہ برسرِ حق تھے۔ وہ اپنے دین کے معاملے میں مداہنت کے بجائے صراحت سے کام لیتے تھے جس پر ان کا خون بہایا گیا۔

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی، سیر الصحابہ جلد ہفتم طبع دوم (ص۲۴۲ تا ص۲۴۸) میں لکھتے ہیں:

"حضرت حجرؓ بن عدی، اغلب یہ ہے کہ ۹ھ میں اسلام سے مشرف ہوئے کیونکہ اسی سنہ میں کندہ کا وفد مدینہ آیا تھا۔ اس میں حجرؓ بھی تھے ..... امیر معاویہ نے جب زیاد کو عراق کا والی بنایا تو اس کی تند خوئی اور بد اخلاقی کی وجہ سے اس میں اور حجرؓ میں مخالفت شروع ہو گئی۔ ایک دن زیاد جامع کوفہ میں تقریر کر رہا تھا۔ نماز کا وقت آخر ہو رہا تھا۔ حجرؓ اور ان کے ساتھیوں نے زیاد کو

متنبہ کرنے کے لیے اس پر کنکریاں پھینکیں۔ زیاد نے بڑی حاشیہ آرائی کے ساتھ بڑھا چڑھا کر ان کی شکایت لکھ بھیجی کہ یہ لوگ عنقریب ایسا رخنہ ڈالیں گے کہ اس میں پیوند نہ لگ سکے گا ...... امیر معاویہؓ نے چھ آدمیوں کو رہا کر دیا اور چھ کو جن میں ایک حجرؓ تھے قتل کا حکم دیا ...... وصیت وغیرہ کے بعد جلاد نے وار کیا اور ایک کشتۂ ستم خاک و خون میں تڑپنے لگا۔ حجرؓ کا قتل معمولی واقعہ نہ تھا۔ اپنے خاندانی اعزاز اور حضرت علیؓ کی حمایت کی وجہ سے وہ کوفہ میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے معززین کوفہ حضرت حسنؓ کے پاس فریاد لے کر پہنچے۔ آپ بے حد متاثر ہوتے لیکن امیر معاویہ کی بیعت کر چکے تھے اس لیے مجبور تھے۔

اہلِ بیت نبوی میں بھی حجرؓ کی بڑی وقعت تھی۔ چنانچہ حضرت عائشہ نے جس وقت ان کی گرفتاری کی خبر سنی، اسی وقت انہوں نے عبدالرحمٰن بن حارث کو امیر معاویہ کے پاس دوڑایا کہ وہ حجرؓ اور ان کے رفقاء کے معاملے میں خدا کا خوف کریں لیکن یہ اس وقت پہنچے جب حجرؓ قتل ہو چکے تھے۔ پھر بھی انہوں نے امیر معاویہ کو بڑی ملامت کی۔ حضرت عبداللہؓ بن عمر کو خبر ہوئی تو زار زار رونے لگے۔ خود امیر معاویہؓ کے آدمیوں نے اس قتل کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ چنانچہ ربیع بن زیاد حارثی گورنر خراسان نے سنا تو اس درجہ متاثر ہوئے کہ دعا کی کہ خدایا اگر تیرے یہاں ربیع کے لیے بھلائی ہو تو اسے جلد بلا لے معلوم نہیں یہ دعا کس دل سے نکلی تھی کہ سیدھی باب اجابت پر پہنچی۔ حضرت عائشہ کو بڑا صدمہ تھا۔ چنانچہ اسی سال جب امیر معاویہ حج کو گئے اور زیارت کے لیے مدینہ حاضر ہوئے اور حضرت عائشہؓ کی خدمت میں گئے تو انہوں نے فرمایا "تم کو حجرؓ اور ان کے ساتھیوں کے قتل کے بارے میں خدا کا خوف نہیں معلوم ہوا؟" ..... حجرؓ اپنے خاندانی اعزاز و مرتبہ کے علاوہ صحابہ کرام کی جماعت میں بھی ممتاز اور بلند پایہ شخصیت رکھتے تھے۔ علامہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں کہ حجرؓ فضلائے صحابہ میں تھے اور اپنی صغرسنی کے باوجود بڑوں میں شمار ہوتے تھے۔ مشہور تابعی محمد بن سیرین سے جب قتل سے پہلے کی نفل پڑھنے کے بارے میں پوچھا جاتا تھا تو کہتے یہ دو رکعتیں خبیبؓ اور حجرؓ نے پڑھی ہیں اور یہ دونوں فاضل تھے۔

لہ زیاد کی رہی سہی کسر مولانا محمد تقی صاحب عثمانی نے پوری کر دی ہے۔

یہی مؤرخ اپنی دوسری کتاب تاریخِ اسلام حصّہ دوم، طبع پنجم، صـ۱۳ میں لکھتے ہیں :

"امیر معاویہؓ نے اپنے زمانہ میں برسرِ منبر حضرت علیؓ پر سبّ و شتم کی مذموم رسم جاری کی تھی، اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے۔ مغیرہؓ بن شعبہ بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے لیکن امیر معاویہؓ کی تقلید میں یہ بھی اس مذموم بدعت سے بچ نہ سکے۔ حجرؓ بن عدی اور ان کی جماعت کو قدرتاً اس سے تکلیف پہنچتی تھی۔ اس کے جواب میں وہ بھی مغیرہ اور امیر معاویہ کو برا بھلا کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے .... زیاد کے زمانے میں بھی یہ رسم جاری رہی اور اسی کے ساتھ حجر کا جوابی طرزِ عمل بھی قائم رہا۔ .... حضرت حجرؓ بن عدی بڑے رتبے کے صحابی تھے، اس لیے ان کے قتل کا اثر بہت برا پڑا۔"

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی جو فضلائے دیوبند میں سے ہیں "تدوینِ حدیث" صـ۲۲۳ پر حضرت حجرؓ بن عدی کا بحیثیت صحابی ذکر کرتے ہوئے ان کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہیں جس کے آخر میں فرماتے ہیں "حضرت حجرؓ بن عدی کی جلالتِ شان کا اندازہ اسی سے کیجیے کہ کوفہ سے شام گرفتار کرکے بھیجے گئے اور یہ خبر مدینہ پہنچی تو عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اسی وقت امیر معاویہؓ کے پاس قاصد دوڑایا کہ حجرؓ کو ہرگز قتل نہ کرنا لیکن قاصد اس وقت پہنچا جب وہ شہید ہو چکے تھے۔" مولانا قاضی زین العابدین میرٹھی نے بھی تاریخِ ملت، جلد سوم (صـ۲۳ تا صـ۲۶) پر حضرت حجرؓ بن عدی کے قتل کو افسوسناک واقعہ قرار دیتے ہوئے کم و بیش وہی تفصیلات بیان کی ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ اپنی تصنیف "سیرتِ عائشہ" صـ۱۵۰-۱۵۱، طبع چہارم میں تحریر فرماتے ہیں:

حجرؓ بن عدی ایک صحابی حضرت علیؓ کے بڑے طرفدار اور کوفہ میں علوی فرقہ کے سرگروہ تھے۔ کوفہ کے والی نے کچھ لوگوں کی شہادت پر ان تمام اشخاص کو گرفتار کرکے دمشق بھیج دیا۔ حجرؓ یمن کے خاندان کندہ سے تھے۔ کوفہ عرب کے بڑے بڑے قبائل کا مرکز تھا، خود کندہ کا قبیلہ یہاں موجود تھا، لیکن کسی نے حجرؓ کی حفاظت کے لیے انگلی تک نہ ہلائی۔ تاہم حجرؓ کا صحابہ میں اس وقت نہایت اقتدار تھا۔ اس لیے اس واقعہ کو تمام ملک نے ناگواری کے ساتھ سنا۔ قبائل کے رئیسوں نے ان کے حق میں سفارشیں کیں، لیکن قبول نہ ہوئیں۔ مدینہ خبر پہنچی تو حضرت عائشہؓ نے اپنی طرف سے ایک قاصد ان کی سفارش کے لیے روانہ فرمایا، لیکن افسوس کہ قاصد پہنچنے سے پہلے حجرؓ کا کام تمام ہو چکا تھا۔ اس وقت جب امیر معاویہ ملنے آئے، تو حضرت عائشہؓ نے سب سے پہلے جو گفتگو ان سے کی وہ یہ تھی "معاویہ، حجر کے معاملہ میں تمہارا تحمل کہاں تھا، حجر کے قتل میں تم خدا سے نہ ڈرے۔" امیر معاویہ نے جواب دیا "اس میں میرا قصور نہیں،

قصور ان کا ہے جنہوں نے گواہی دی۔" دوسری روایت میں ہے کہ امیر معاویہ نے کہا، یا ام المومنین! کوئی صاحب الرائی میرے پاس موجود نہ تھا۔ مسروق تابعی راوی ہیں کہ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں کہ "خدا کی قسم، اگر معاویہؓ کو معلوم ہوتا کہ اہل کوفہ میں کچھ بھی جرأت اور خودداری باقی ہے تو کبھی وہ حجرؓ کو ان کے سامنے پکڑوا کر شام میں قتل نہ کرتے لیکن اس جگر خوارہ ہند کے بیٹے نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ اب لوگ اٹھ گئے، خدا کی قسم کوفہ شجاعت و خودداری والے عرب رئیسوں کا مسکن تھا۔ لبید نے سچ کہا ہے:

ذهب الذين يُعاش في اكنافهم
وبقيت في خلف كجلد الاجرب
لا ينفعون ولا يُرجى خيرهم
ويُعاب قائلهم وان لم يشغب

وہ لوگ چلے گئے جن کے سایہ میں زندگی بسر کی جاتی ہے۔ اب ایسے اخلاف کے درمیان رہ گیا ہوں جو خارشتی اونٹ کی طرح ہیں۔ نہ وہ نفع پہنچاتے ہیں، نہ ان سے بھلائی کی امید ہے۔ ان سے باتیں کرنے والوں کی عیب گیری کی جاتی ہے۔"

متقدمین و متاخرین علماء کی ان سب تحریروں کی موجودگی میں تو مولانا مودودی کے معترضین کو صحابہ کرام کی مدافعت و عدالت کے لیے قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی لیکن "خلافت و ملوکیت" کے خلاف جب دوسرے حضرات اپنا اپنا زور دکھا چکے، اور جب اشتراکیت کے پجاری دین کے خادموں سے دست و گریباں ہونے لگے، تو مولانا محمد تقی صاحب عثمانی پوری متقیانہ شان کے ساتھ میدان میں آگئے اور ان کے مضامین ہند و پاکستان کے متعدد جرائد میں تقریظات کے ساتھ نقل ہونے لگے۔ جب بعض لوگوں نے توجہ دلائی کہ یہ باتیں تو قریب کے دور میں اسی دیار کے علماء اپنی اردو تصانیف میں زیادہ سخت و درشت انداز میں لکھ چکے ہیں تو جواب میں کبھی فرمایا گیا کہ ہاں، لکھی ہوں گی، مگر ہم نے نہیں پڑھا تھا۔ کبھی فرمایا کہ اُن سے فتنہ نہیں پھیلا، لیکن مولانا مودودی کی تحریر سے فتنہ پھیلا۔ کبھی ارشاد ہوا کہ دوسروں کی غلطیات سے ان کا جرم ہلکا نہیں ہو جاتا۔ میں پوچھتا ہوں کہ دارالمصنفین والوں کی کتابیں جو تقریباً ساٹھ برس سے ہند و پاکستان میں ہزارہا کی تعداد میں چھپ کر پھیل رہی ہیں اور جن کے کئی کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں، انہیں چھوڑ کر آخر مولانا مودودی ہی کی کتاب کے مطالعہ کی زحمت آپ نے کیوں گوارا کی؟ آخر کس قاعدے اور منطق کی رو سے وہی بات ایک شخص کہے تو فتنہ ہے اور دوسرے کہیں تو فتنہ نہیں، نہ محتاجِ تنقید و تردید ہے؟ کیا یہ انوکھا واقعہ ایک سے زائد مرتبہ رونما نہیں ہو چکا کہ دیوبند کے فضلاء اور اربابِ افتاء

کے سامنے اپنے اکابر ہی کی بعض تحریرات پیش کی گئیں اور انہوں نے ان عبارتوں کو مولانا مودودی کے قلم سے نکلا ہوا سمجھا اور بلا تامل فتوائے تکفیر رسید کر دیا۔ بعد میں حقیقتِ حال منکشف ہونے پر مضحکہ خیز طریقوں سے اپنی حرکت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ علمائے ندوہ "اگر حضرت حجرؓ کو "کشتۂ ستم" قرار دیں، نیز یہ لکھیں کہ "امیر معاویہ نے اپنے زمانے میں برسر منبر حضرت علیؓ پر سبّ و شتم کی مذموم رسم جاری کی تھی اور ان کے تمام عمال اس رسم کو ادا کرتے تھے" اور مولانا تھانوی یہ نقل فرمائیں کہ حضرت معاویہؓ کے یہاں حضرت علی پر تبرا ہوتا تھا اور روافض حضرت معاویہؓ کے مقلد ہیں" تو ان حضرات کی طرف رُخ کر کے تو کچھ بھی نہ کہا جائے اور ان سے اغماض برتتے ہوئے صرف مولانا مودودی ہی کو اللہ سے پناہ مانگنے کی تلقین اور توبہ و استغفار کی نصیحت کی جاتے، تو پھر اس صورتِ حال پر میں مولانا مودودی کے بارے میں سوائے اس کے اور کیا کہوں کہ وجودک ذنب لا یقاس بہ ذنب (تیرا زندہ ہونا ہی گناہ ہے۔ اس جیسا کوئی گناہ نہیں۔)

مولانا مودودی نے چند سطروں میں یا ایک آدھ صفحے میں جو کچھ حضرت امیر معاویہؓ کے متعلق ایک ضمنی تاریخی بحث کے دوران میں لکھ دیا ہے، اس پر مولانا عثمانی صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ امیر معاویہ کی قبر کو نور سے بھر دے ان کے لیے بلندیٔ درجات کے کیسے کیسے سامان ہو رہے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت معاویہؓ اور حضرت حجرؓ بن عدی دونوں کی قبروں کو نور سے لبریز کر دے۔ حضرت حجرؓ اپنے فضائل و مناقب اور خدماتِ اسلام کے لحاظ سے حضرت معاویہؓ سے فروتر نہ تھے۔ انہوں نے عہدِ صدیقی و فاروقی میں کفار کے خلاف جہاد بالسیف کیا اور حضرت علیؓ کے دست و بازو بنے رہے۔ کیا ان کو مباح الدم اور لائقِ قتل قرار دینے والے توبہ و ندامت کے سزاوار و حاجت مند نہیں ہیں؟

توبہ فرمایاں چرا خود توبہ کمتر می کنند (باقی)